Basair

Article on

Burhanuddin Raz-i Ilahi

BURHANPUR

Ziya Nargis Jafri

Page no 127-131

Jan 1967

دائرہ معین المعارف کا سہ ماہی رسالہ

بصائر کراچی

جنوری ۱۹۶۷ء

جلد چہارم

شمارہ اول

مرتبہ

ڈاکٹر سید معین الحق

حقِ نشان، ۳۰ نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی ۵
ٹیلیفون ۴۰۸۴۷

زرِ سالانہ
آٹھ روپے ارکا پیسے

فی پرچہ
دو روپے ۵۰ پیسے

فہرست

سندھ یونیورسٹی میں اردو مخطوطات

از ضیاء نرگس جعفری۔ ایم اے۔

(۱)

ابتدائیہ

سندھ یونیورسٹی میں اردو مخطوطات دراصل مولانا سید مطیع اللہ صاحب راشد برہانپوری سے خرید کئے ہوئے ہیں۔ مولینا کے پاس یہ خزانہ وراثتاً چلا آتا تھا۔ لیکن اپنی مالی مشکلات کی وجہ سے انہیں علیحدہ کرنا پڑا۔ مولانا کی کئی کتابیں ملک میں خاصی شہرت رکھتی ہیں مثلاً (تاریخ برہانپور) برہانپور میں اولیاء سندھ اور دیوان عطا وغیرہ۔ فارسی میں وہ بڑے دقیق النظر فاضل ہیں اور انہوں نے بعض مخطوطات کی صراحت بڑے عالمانہ انداز میں کی ہے۔

سندھ یونیورسٹی میں یہ تمام مخطوطات کم وبیش ۳۲ ہیں۔ ان میں سے بہت سے کرم خوردہ اور شکستہ خط بھی ہیں۔ اک طالبہ جس کا ماحول بالکل محدود ہو اس کے لئے ایسے کاموں میں بالغ نظری بہ مشکل میسر ہو سکتی ہے تاہم میں بڑی خوشی سے عرض کر سکتی ہوں کہ میں نے اپنے بزرگوں کی جن میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب کا نام فخر سے لے سکتی ہوں رہبری میں حتی الامکان ان مخطوطات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور اس مقصد کیلئے مختلف تاریخیں، تذکرے اور دکنی ادب سے متعلق کتابیں دیکھی ہیں۔ چنانچہ مجھے امید ہے کہ اپنی خامیوں کے باوجود یہ مقالہ کسی حد تک اہل علم حضرت کے نزدیک ضرور قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

احقر ضیاء نرگس

پہلا دور

علاؤالدین خلجی نے دکن کو [illegible] میں فتح کرکے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے بعد تیس سال سے زیادہ عرصہ تک جنوبی ہند شمالی ہند کے زیر فرمان رہا۔ ملک ہزبرالدین ظفر خاں سلطان علاؤالدین خلجی کے دربار کا امیرالامراء اور اقطاع سمانہ و پنجاب و ملتان کا گورنر تھا [illegible] میں جب مغولان ماوراءالنہر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو ان کی مدافعت کرتا ہوا عین معرکہ میں شہید ہوا۔ اس کے دو بھانجے تھے۔ علی شاہ اور حسن بہمن، یہ دونوں سلطان محمد بن تغلق کے امرائے صدہ میں شامل تھے۔ اور انہیں سلطان نے اپنے استاد قتلغ خاں کے ہمراہ دکن روانہ کیا تھا [illegible] میں علی شاہ محصول وصول کرنے گلبرگہ آیا جب اس علاقہ کو عمالان سلطانی سے خالی پایا تو لوٹ مار شروع کردی۔ قتلغ خاں نے اس پر چڑھائی کی بیدر میں لڑائی ہوئی۔ قتلغ خاں نے اسے قید کرکے بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ بادشاہ نے اس کا قصور معاف کرکے غزنین کی طرف جلاوطن کر دیا۔ علی شاہ کی بغاوت کے کچھ ہی عرصہ بعد امرائے دکن نے باہم اتفاق کرکے سلطان کے خلاف بغاوت کر دی دو سال کی خونریزی کے بعد سلطانی لشکر کو ہزیمت ہوئی اور حسن خاں المخاطب ظفر خاں علاؤالدین بہمن شاہ کے خطاب کے ساتھ دکن کا خود مختار حاکم بن بیٹھا۔ تقریباً دو سو سال تک اس کے خاندان کے اٹھارہ شخص گلبرگہ اور بیدر میں حکمرانی کرتے رہے مگر [illegible] کے بعد جب سلطنت میں ضعف آ گیا تو مختلف صوبہ دار خود مختار ہو گئے اور ان کی جگہ پانچ سلطنت قایم ہو گئی۔ اور ایک بہمنی سلطنت کے بجائے پانچ حکومتیں۔ گولکنڈہ۔ بیجاپور۔ احمدنگر۔ برار اور بیدر میں قایم ہو گئیں۔ سلطان علاؤالدین، حسن اور اس کے جانشین نہ صرف علم دوست اور علم پرور تھے بلکہ خود بھی ذی علم تھے۔ اور ان کے زمانہ میں دکن علم و فن کا مرکز تھا۔ بیدر کا عظیم الشان کالج (مدرسہ محمود گاواں) جس کے کھنڈر آج تک

اپنے بانی کا نام زندہ رکھنے کے لئے موجود ہیں۔ اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ اس وقت یہاں عام طور پر دکنی زبان کا رواج ہو چلا تھا۔ اور روزمرہ بول چال میں یہی جدید زبان بولی جاتی تھی۔ سلاطین بہمنیہ نے اس زبان کی خاص طور سے سرپرستی فرمائی۔ اور اس کو سرکاری زبان کا درجہ دیا۔ علمائے وقت نے اس سے کام لیا۔ تعلیم اور تبلیغ کا ذریعہ اسی زبان کو قرار دیا۔ بزرگانِ دین دین کے لئے اپنے اور نومسلموں کے تزکیہ نفس، مذہبی تعلیم اور مسائل کو عام فہم بنانے کے لئے یہی زبان استعمال کرتے تھے۔ اور اسی ضرورت سے تحریر میں بھی اسکو استعمال کرنا ضروری ہوا۔ چنانچہ اس عہد کے نثر کے جو نمونے دستیاب ہوئے ہیں وہ مذہبی تحریرات ہی ہیں۔ اس عہد کے دو مصنفین کا پتہ چلتا ہے۔ اوّل سید محمد حسینی المخاطب خواجہ گیسو دراز جن کی کتاب معراج نامہ یا معراج العاشقین ہے۔ دوسرے محمد عبداللہ حسینی جنھوں نے نشاط العشق کا ترجمہ کیا ہے۔

سلطنت بہمنیہ کی وسعت حسن بہمن نے بادشاہ ہونے کے بعد اپنا لقب سلطان علاؤالدین بہمن شاہ اختیار کیا اور گلبرگہ کو حسن آباد کے نام سے موسوم کر کے اپنا دارالحکومت بنایا۔ اس کی حکومت برار سے تلنگانہ اور کرشنا سے سمندر تک پھیلی ہوئی تھی۔ زمانہ مابعد میں اس کے جانشینوں کی سعی و کوشش سے مملکت میں اور بھی وسعت ہوئی۔

علاؤالدین احمد شاہ نے کوکن فتح کیا۔ شاہان گجرات اور خاندیش کو شکست دی۔ محمد شاہ کے زمانہ میں اڑیسہ اور کانچی ورم مسخر ہوئے بلگاؤں کے راجہ نے ہزیمت پائی ان فتوحات سے بہمنوں کی حکومت و سلطنت ایک سمندر سے شروع ہو کر دوسرے سمندر تک وسیع ہوئی۔ بیجانگر کے راجا بہمنوں کے مدمقابل تھے۔ دونوں کی عملداری کرشنا پر ملی ہوئی تھی۔ ان میں ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہا کرتے تھے اور بہمنوں کے لشکر جب بیجانگر چلے جاتے تھے تو یہاں کے راجہ باج خراج ادا کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

سلطنت بہمنیہ کے اکثر بادشاہ ذی علم اور علم و فن کے قدرداں تھے۔

محمد شاہ ثانی (۷۸۰ھ تا ۷۹۹ھ) شاعر تھا عربی، فارسی خوب بولتا تھا۔ میر صفی اللہ انجو، علامہ سعد الدین تفتازانیؒ کے شاگرد تھے۔ اس کے دربار میں عہدۂ صدارت پر مامور تھے۔ اسی بادشاہ نے خواجہ حافظ کو شیراز سے دکن بلوایا تھا لیکن خواجہ صاحب نے بحری سفر سے خائف ہو کر آنے سے انکار کر دیا۔

فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ تا ۸۲۵ھ) بھی زبردست عالم تھا۔ تفسیر، اصول اور حکمت طبعی و نظری میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ علم ہیئت سے اسے بڑی دلچسپی تھی ۸۱۰ھ میں بمقام دولت آباد ایک رصد گاہ تعمیر کرائی اور تحقیقات فلکی کے لئے محمود گازرونی اور حسن گیلانی جیسے نامور علماء مامور کئے۔ خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز اسی زمانہ میں تشریف لائے تھے۔ احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ھ تا ۸۳۵ھ) کے دربار میں بڑے بڑے علماء جمع تھے۔ مثلاً عبد الغنی، مفتی نجم الدین اور شیخ آذری وغیرہ آذری مرزا شاہ رخ کے دربار کا ملک الشعراء تھا حج بیت اللہ کے بعد دکن آیا مدت تک محمد شاہ کے دربار میں رہا۔ بادشاہ کی فرمائش پر سلاطین بہمنی کے حالات منظوم کئے اور بہمن نامہ اس کا نام رکھا۔ احمد شاہ کے بعد کے زمانہ تک کے حالات منضبط کرنے کے بعد آذری اپنے وطن چلا گیا۔ بہمن نامہ کو مُلّا نظیری، سامعی نے بعد میں پورا کیا۔ محمود گاواں محمد شاہ ثالث (۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ) کا وزیر تھا۔ اور ایک بڑا ذی علم اور فیاض آدمی تھا علوم معقول اور منقول میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ سید العلماء سلامت اللہ داحدی شمس الدین سامی عبد الکریم ہمدانی ملا نظیری اس کے دربار میں تھے۔ مشہور شاعر عبد الرحمٰن جامی کو اس نے بیدر میں بلوایا تھا۔ لیکن انہوں نے آنے سے معذرت کی۔

سلاطین بہمنیہ نے تقریباً ڈیڑھ سو سال حکومت کی اس کے بعد ان کا انحطاط شروع ہوا محمود شاہ کے زمانہ تک صوبہ داروں نے خود سری شروع کر دی

سنہ ۹۳۲ھ میں بہمنوں کا خاتمہ ہوگیا۔ اور سلطنت بہمنہ کے بجائے پانچ سلطنتیں قایم ہوگئیں

سلطنت بہمنہ مختلف باشندے اور انکی زبانیں

سلطنت بہمنہ میں جو باشندے مسلمان تھے ان کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) دکنی - یہ وہ لوگ ہیں جو علاؤالدین خلجی کے زمانہ میں یا بعد میں اسلامی لشکر کے ساتھ دکن میں آئے۔ اور یہیں آباد ہوگئے یہ لوگ دکنی اردو بولتے تھے۔

(۲) غریب پردیسی - جو ترکی و ایران سے آکر دربار میں توسل پیدا کرتے تھے یہ لوگ ترک، ایرانی، افغانی، سیّد تھے - اور فارسی بولتے تھے

(۳) یہ لوگ حبش کے باشندے تھے اور ابی سینیا سے آئے تھے۔ یہ یمن کے راستے دکن میں آئے تھے۔ یہ لوگ حبشی اور ایرانی زبانیں بولتے تھے۔ ملک کے اصلی باشندے ان کے علاوہ تھے۔ دکن میں شمالی مغرب میں مرہٹی زبان بولی جاتی تھی۔ جنوب مشرق میں کنڑی اور تلنگی زبان بولی جاتی تھی۔ غریبوں کے مقابلہ میں دکنیوں کی تعداد زیادہ تھی - اور اسی اعتبار سے عربی فارسی کے مقابلے میں ان کی زبان کو بھی رواج حاصل تھا۔ دکنیوں کی زبان اردو سے کوئی جداگانہ زبان نہیں تھی بلکہ یہی زبان تھی جسے مسلمان علاؤالدین خلجی کے زمانہ میں اور اس کے بعد ہندوستان سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ لیکن دیگر زبانوں کے اختلاط اور مقامی باشندوں کے ربط ضبط نے بتدریج اس میں فرق پیدا کردیا۔ اور یہ فرق سو سال کے اندر اتنا نمایاں ہوا کہ دونوں زبانیں دو علیحدہ علیحدہ ناموں سے یعنی دکنی اور اردو کے ناموں سے موسوم ہوگئیں۔

دوسرا دور

سنہ ۹۰۰ھ تا سنہ ۱۱۰۰ھ قطب شاہی اردو

سلطنت بہمنیہ کے منتشر ہونے کے بعد دکن میں پانچ سلطنتیں قایم ہوگئیں اس

زمانہ میں یہاں بہت ترقی ہوئی۔ سلاطین دکن کے محلوں میں ہندو رانیاں آئیں سلاطین دکن ہندو مسلمان سے یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ لہٰذا ان کی بے تعصبی کی وجہ سے ہندوؤں کو اونچے عہدوں اور تحائف سے نوازا جاتا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں شاہی دفاتر میں دکنی کو بھی رواج ہوا۔

سلطان قلی بانیِ سلطنتِ قطب شاہیہ کا ہمدان میں آنا

ہمدان میں اوندمرزا کے بعد پیر قلی اور پیر قلی کے بعد اس کا لڑکا اویس قلی برسرِ حکومت آیا [illegible]ھ میں حکومت کے انتشار کے باعث اپنے لڑکے سلطان قلی کو اپنے بھائی اللہ قلی کے ہمراہ ہندوستان بھیجدیا۔ اللہ قلی سلطان کو لے کر سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہدِ حکومت میں دکن (بیدر) پہونچا۔ محمود شاہ ان دونوں کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آیا۔ اللہ قلی کچھ عرصہ بیدر میں رہنے کے بعد اپنے وطن واپس چلا آیا۔ سلطان محمود شاہ نے سلطان قلی کو شاہی چیلوں میں شامل کر کے اپنے یہاں رکھ لیا۔ سلطان قلی کی قابلیت کو دیکھ کر بادشاہ نے قطب الملک کا خطاب دے کر تلنگانہ میں صوبیدار بنا دیا۔ سلطان سولہ سال تک تلنگانہ میں صوبہ دار رہا۔ ۹۱۶ھ میں محمود شاہ کے انتقال کے بعد حکومت میں افراتفری سے فائدہ اٹھا کر سلطان قلی نے بھی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اور قطب شاہ کا لقب اختیار کر کے گولکنڈہ کو اپنا مستقرِ حکومت بنایا۔ قطب شاہی حکومت تقریباً دو سو سال رہی۔ ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب نے گولکنڈہ کو فتح کر لیا اور اس طرح قطب شاہی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ قطب شاہ کے بعد اس کے خاندان کے سات شخص حکمراں ہوئے۔

(اس خاندان کے سلاطین حسبِ ذیل ہیں)

(۱) سلطان قلی ۹۱۶ھ سے ۹۵۰ھ تک (۲) جمشید قلی ۹۵۰ھ سے ۹۵۷ھ تک

(۳) سبحان قلی ۹۵۷ھ سے ۹۵۷ھ تک (۴) ابراہیم قلی ۹۵۷ھ سے ۹۸۸ھ تک

(۵) محمد قلی ۹۸۸ھ سے ۱۰۲۰ھ تک (۶) محمد قطب شاہ ۱۰۲۰ھ سے ۱۰۳۵ھ تک

(۷) عبداللہ ۱۰۳۵ھ سے ۱۰۸۳ھ تک (۸) ابوالحسن ۱۰۸۳ھ سے ۱۰۹۳ھ تک

سلاطین قطب شاہیہ کا علمی مذاق

سلاطین قطب شاہیہ نہ صرف سیاسی اعتبار سے شہرۂ آفاق گذرے ہیں بلکہ علم وفن کے قدرداں اور خود بھی ذی علم تھے یہ لوگ نہ صرف شعر گوئی کی قدر کرتے تھے بلکہ خود بھی شعر گوئی کا مذاق رکھتے تھے۔ سلطان قلی نے تمام وقت حکومت کو مستحکم کرنے میں گذارا۔ مگر اس کے باوجود بھی اس کا دارالحکومت شعراء اور ادیبوں سے خالی نہیں تھا۔ بادشاہ نے اک خاص محل آش خانہ کے نام سے تعمیر کرایا۔ جہاں پر بیٹھ کر بادشاہ خود تمام شعراء اور ادیبوں کے کلام سے مستفید ہوتا تھا جمشید قلی جو کہ خود سلطان قلی کا لڑکا تھا۔ کو شعر وسخن سے خاص دلچسپی تھی۔ ملا شریف وقوعی اس کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ قطب شاہی خاندان کا چوتھا حکمراں ابراہیم قلی، نہایت زبردست عالم تھا۔ بڑے بڑے علماء اس کے دربار میں جمع تھے گولکنڈہ علم وفن کا مرکز تھا۔ اس عہد میں دکنی (اردو) کو بھی خاصی ترقی ہوئی۔ کئی ایک نامور شعراء کا پتہ چلتا ہے جنہیں سے فیروز محمود وجیہی مشہور ہیں۔ ابراہیم کے بعد اس کا فرزند محمد قلی قطب شاہ اپنے باپ کی طرح ذی علم اور ارباب کمال کا قدرداں تھا اس کا دورِ حکومت ترقی علم وفن کے لحاظ سے خاص طور پر مشہور ہے۔ سلطان کو فنون لطیفہ کا بہت شوق تھا، شعر وشاعری کا ذوق تھا۔ اور اس نے عمارات تعمیر کرائی تھیں۔ اس سے اس کے ذوق لطیف کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے زمانے میں اردو یعنی دکنی کو بڑا رواج حاصل ہوا۔ وجیہی، غواصی، احمد وغیرہ نے بلند پایہ مثنویاں لکھیں یہ اس کے درباری شاعر تھے۔ سلطان خود بہت بڑا شاعر تھا۔ سلطان قلی کا جانشین محمد قطب شاہ بھی ایک ذی علم بادشاہ گذرا ہے۔ اپنے پیشروؤں کی طرح اس کو بھی علم وفن اور شعر وسخن کا ذوق تھا۔ اس کو سیر اور تواریخی کتابوں کا بہت شوق تھا۔ اور خود شاعر بھی تھا۔ غزل کے سوا قصیدہ اور مناقب

بھی خوب لکھتا تھا۔ نامی گرامی شعرا اور علماء اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ علامہ فہامی، مولانا رونقی۔ نور اللہ حقیر وغیرہ فارسی کے زبردست شاعر تھے۔ اور غواصی، ابن نشاطی، جنیدی طبعی، امین وغیرہ اردو کے مشہور شعراء تھے۔ بادشاہ خود بھی شاعر تھا۔ عبد اللہ تخلص کرتا تھا۔ گولکنڈہ کے آخری تاجدار سلطان تانا شاہ کا تمام زمانہ لڑائی جھگڑوں میں گذرا اس پر آشوب زمانہ میں متعدد مثنویاں لکھی گئیں اور شعراء نے غزل اور مرثیے لکھے تانا شاہ خود بھی شاعر تھا۔ اپنے پیش رو سلاطین کی طرح اس نے کوئی دیوان نہیں چھوڑا اس دور کے مشہور شعراء فائز لطیف شاہی مرزا غلام علی سیوگ شعور وغیرہ ہیں ۱۰۹۸ھ میں گولکنڈہ دہلی میں شامل ہوگیا۔ اور مغلیہ حکومت کا ایک صوبہ قرار پایا۔ اسی دور میں شیخ برہان الدین راز الٰہی گذرے ہیں جن کا کلام بیم کہانی ہماری سندھ یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔

حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی قدس سرہٗ

برہان الدین[1] راز الٰہی کی ولادت "فیض حق[2]" سے ۹۹۸ھ اور مقام ولادت موضع راجھی پرگنہ بودوڈ خاندیش ہے۔ شیخ صاحب کے بچپن کے زمانہ میں ہی ان کا خاندان برہان پور آگیا۔ والدین کی وفات کے بعد آپنے عم بزرگوار کی زیر سرپرستی تعلیم و تربیت اور نشو و نما حاصل کی ظاہری تعلیم کے ساتھ ساتھ خدا طلبی کا جذبہ بھی موجزن تھا حضرت ملک حسین جیناںؒ کے مرید تھے۔ ملک حسین کے برہان پور سے چلے جانے کے بعد ۱۰۱۰ھ

---

[1] برہان پور کے سندھی اولیا۔ سید مطیع اللہ راشدی برہان پوری [2] مولوی بشیر محمد خاں ایڈوکیٹ برہان پوری نے ملفوظات کے حوالہ سے آپکی ولادت کا سنہ لفظ "فیض حق" سے ۹۹۸ھ اور مقامات ولادت موضع راجھی پرگنہ بودوڈ خاندیش لکھا ہے۔

میں آپ مسیح الاولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو اس وقت انکی عمر انیس سال کی تھی۔ مسیح الاولیاء شفقت اور محبت سے پیش آئے۔ شیخ صاحب طلب حق کا جذبہ بھی رکھتے تھے لہذا ان کے مرید ہو گئے ۱۰۸۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

روحانی علوم اور عرفانی تعلیم کے ساتھ ساتھ مسیح الاولیاء نے اپنی شاگرد رشید کو علوم ظاہری شعر و ادب اور عروض، ریاضی، منطق وغیرہ میں بھی طاق کر دیا۔ معرفت کے سلسلہ میں آپ کا لقب رازِ الٰہی تھا۔ اور فن شعر میں برہان تخلص کرتے تھے۔ عربی ادب پر بھی آپ کو منتہیانہ عبور حاصل تھا۔ مرشد طریقت حضرت مسیح الاولیاء کی نگاہ میں آپ اس قدر محبوب و مکرم تھے کہ آپ اپنے نجی معاملات میں بھی شریک رکھتے تھے آپ اہل دنیا اور اہل دولت سے طبعاً گریز کرتے تھے۔ اورنگ زیب کو بھی اگرچہ سلطنت آپ کی توجہ سے حاصل ہوئی تھی لیکن آپ کو شہزادہ سے اسقدر گریز تھا کہ برملا اس کی حاضری کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اورنگ زیب کو بھی شدت سے اعتقاد اور کامل یقین تھا کہ دعائیں ہی کشود کار کا ذریعہ ہو سکتی ہیں۔

آپ کی قناعت پسندی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ کے خسر کے عطا کردہ مکان میں منتقل ہوئے تو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس مکان کی سکونت سے دل میں تنگی محسوس ہوتی ہے۔

درویشی (فقیری) کی حقیقت کے متعلق آپ کی یہ تعلیم تھی کہ درویشی خلوت نشینی یا پہاڑوں اور غاروں میں بیٹھکر ریاضت کرنے یا آسمان پر پرواز کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اپنے دل کو غیر اللہ سے بے تعلق کر لینے کا نام درویشی ہے۔ آپ کا قول تھا کہ درویشی آٹھ چیزوں پر مبنی ہے اگر یہ صفات کسی سپاہی میں پائی جاتی ہوں تو وہ حقیقتاً درویش ہے۔ اور اگر کوئی درویش ہوتے ہوئے بھی ان پر کاربند نہ ہو تو فی الواقع اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اور وہ آٹھ لوازم یہ ہیں۔ اوّل ہر وقت باوضو رہنا۔ ہمیشہ روزہ کم خوراک۔ کم سونا۔ کم گوئی۔ لوگوں کی صحبت سے گریز۔ خواہشات سے اجتناب

مرشد سے قلبی لگاؤ۔ کم گوئی کے متعلق آپ کا یہ نکتہ نہایت بلیغ ہے۔ جس طرح تسخر کی علت سے دل مرجاتا ہے اسی طرح لبیار گوئی بھی طلب کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ آپ کا عمل تو یہی رہا کہ عبادات و نوافل میں ہمہ اوقات منہمک و مشغول رہتے تھے۔ لیکن کاروباری اور فرائض مبلغی پر مامور لوگوں کو ان کے متعلق امور میں دلچسپی اور انہماک سے انجام دینے کی تاکید فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ جن شخصیتوں کی ذات سے عام لوگوں کا رفاہ کا کاروبار متعلق رکھتا ہے وہ لوگ نوافل میں مشغول رہیں گے تو ان کی یہ طاعات قبولیت کا درجہ نہ پا سکیں گی۔ بلکہ وہ حق سے قریب ہونے کے بجائے دور ہو جائیں گے طاعت نفس کو آپ برا سمجھتے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ مرشدِ کامل وہی ہے کہ جس کی صحبت میں مرید کا دل دنیا کی طلب سے متنفر ہو جائے۔ اور فانی لذتیں اور جلد ختم ہونے والی راحتیں اس کو تلخ معلوم ہوں گی وہ کہ ذکر حق سے مانوس ہو جائے۔

اہل فنا اور علماء کی صحبت کے فوائد سمجھتے ہوئے اپنے مرشد حضرت مسیح الاولیاء کے مصرعہ کے مفہوم سے متعلق فرمایا کہ ایک پل اور ایک لمحہ اہل فنا کی صحبت میں رہنا دنیا بھر کی ریاضتوں اور مجاہدات سے بہتر ہے اس لئے کہ ریاضت اور مجاہدہ کا مقصد دولت فنا حاصل کرنا ہے۔ اور یہ چیز اہل فنا کی صحبت میں دم بھر میں حاصل ہو جاتی ہے اور ان صاحبانِ کمال کی ادنیٰ توجہ کی برکت سے یہ نعمت میسر آتی ہے۔

آپ کے علمی کمالات کے متعلق شروع میں بھی ذکر کیا تھا۔ آپ ماہر عروض شاعر تھے اور آپ کا تخلص برہان تھا۔ شیخ صاحب کی تصنیفات کے بارے میں شرح آمنتُ باللہ اور وصیت نامہ شرح اسماء حسنیٰ کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ، راشد صاحب برہان پوری کے نادر ذخیرے میں ایک رسالہ قلمی فارسی اور ایک مضمون قلمی عربی موجود ہے۔

سندھ یونیورسٹی کی لائبریری میں ایک قلمی نسخہ تیم کہانی موجود ہے۔

پیم کہانی

سندھ یونیورسٹی کی لائبریری میں شیخ برہان الدین رازالہی کا قلمی نسخہ پیم کہانی موجود ہے پیم کہانی کا سنہ تصنیف معلوم نہیں کتاب کے آخر میں یہ عبارت تحریر ہے۔

"کار من تمام شد۔ کہانی من تصنیف قدوۃ الواصلین، زبدۃ العارفین منبع السالکین حضرت شاہ برہان الدین رازالہی قدس اللہ سرہ العزیز مورخہ ۱۲ ماہ رجب بروز شنبہ ۱۳۰۶ھ صورت اتمام یافت۔

اس مخطوطے میں ۴۴ اوراق ہیں ۸۰ صفحات اس میں ۵۴ دوہے ہیں مخصوص ہندی دوہوں کی نہایت بلند عارفانہ فارسی شرح جملہ ۵۴ دوہے ہیں۔ ہر دوہا اپنی جگہ غزل کے شعر کی طرح عاشقانہ مکمل مضمون کا حامل ہے۔ لیکن شرح میں ایسا ارتباط پیدا کر دیا ہے کہ اول سے آخر تک مسلسل ماجرہ مرتب ہو گیا ہے۔

ہندی کا زبان چودھویں اور پندرھویں عیسوی یعنی گیارھویں اور بارھویں صدی ہجری میں سب سے زیادہ مقبول اور عام فہم تھی اور خصوصاً وہ ہندی جو کہ یوپی راجپوتانہ مشرقی پنجاب اور صوبہ متوسط ہند میں بولی جاتی تھی اور لکھی جاتی تھی۔ انتہائی دلکش اور شیریں تھی۔ خصوصاً ہندی شاعری لطیف جذبات کا ایک مرقع ہے جس کی سب سے بڑی وجہ ہندی کی شاعرانہ روایات ہیں۔ جہاں عاشق ہمیشہ صنف نازک ہوتی ہے اور محبوب مرد اور عورت کے فطرتاً جذبات و احساسات بہ نسبت مرد کے زیادہ نازک اور لطیف ہوتے ہیں لہذا ان میں سوز و گداز ہونا لازمی ہے۔ فرانسیسی شاعر بودلیر حقیقی شاعر کے لئے جذبات و مستی کو لوازمات فن میں سے تصور کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر وقت بدمست اور بے خود رہو۔ سب کچھ اسی میں ہے۔ یہ مستی چاہے شراب کی ہو یا نیک کرداری کی۔ لیکن ہو ضرور

شاعری میں صداقتِ جذبات بہت اہم چیز مانی گئی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ شاعر کے دل پر گذرے اس کو صحیح مصوری کے ذریعہ کاغذی پیرہن عطا کرے اور اس کا کمال یہ ہے کہ جو کچھ دل پر گذری تھی وہی سننے والوں پر گزر جائے۔ اور یہ خوبی جس شاعر میں جتنی زیادہ ہوگی وہ اتنا ہی کامیاب ہوگا۔

وارداتِ عشق و محبت کے لئے خواہ عشق مجازی ہو یا حقیقی۔ دوہے کی صنف سب سے پیش پیش نظر آتی ہے۔ شیخ برہان الدین رازِ الٰہی کے دوہے بھی اردو ادب میں ایک اونچا مقام رکھتے ہیں انہوں نے اپنے دوہوں میں ہندی بھاشا کے ہلکے پھلکے لطیف الفاظ استعمال کئے ہیں ان میں عشق حقیقی کی والہانہ سرمستیوں کا ذکر عارفانہ انداز میں موجود ہے ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے۔

دوہرہ

ابتدائے کلام

پیم کہانی گیت بھل سنو سکھی تم آئے
پیو کو ڈھونڈوں ہوں گئی آپ آپ گنوائے

نمونۂ کلام

پیم کہانی بس بھری مت سنیو کوئی آئے
باتوں باتوں تن جرے دکھت میں گھل جائے

پیم نگر ہو بیتڑے کے سدھ بدھ سولہہ پیو لاگ
سدھ بدھ یہ بھول جات جو لاگی پریت کی آن

آگے گئے وادیس کو بھٹ پڑے وہ ٹھاؤں
جہاں نہیں پریت نبہے کا پنچ نہیوں ناؤں

مانگ سنوارو نہ ہے کنگھی کر گوندھو بال
گہنا پہر و نگ بھر کپڑے کر نیلے لال

پائل باجے بات موں دھوکے گھنگھرو جھنکاتیہ
یہ وری سر پرے پیو بن کیں جاتیہ

لاکھ لائے جو اکھیاں دیکھوں اپنا پیو
دیکھت دیکھت دوؤں گئے جائے پیو جیو

من میرا پیو ملے دری سکھی تانکے موں
میں کہت تھی وہ موہن ہمیں یاد کر سوں

خاتمہ کلام

پریت کی ریت کریت ہے مت کھینچ وہ ناؤں
بھولی گیو اور بوڑھی تو کہا نہیں ٹھکانہ ٹھاؤں

جعفر

مرزا جعفر بیگ قزوینی عبدالجبار ملکاپوری کی تحقیق کے مطابق جعفر تخلص اور مرزا جعفر بیگ نام ہے۔ بدیع الزماں قزوینی کے خلف الصدق ہیں۔ اکبر و جہانگیر کے عہد حکومت میں معزز و ممتاز رہے۔ فن شاعری میں استاد کامل تھے۔ مثنوی شیریں خسرواں کی یادگار ہے ۱۰۲۲ھ میں برہان پور میں انتقال ہوا اپنے چچا کے مرنے کے بعد آصف خاں کے نام سے مشہور ہوئے کسی شاعر نے تاریخ وفات "صد حیف از آصف خاں" سے نکالی ہے۔

در بار صبا بوئے کسے ہست کہ یعقوب	چشمے کہ ندارد بہرہ قافلہ وارد۔
ہزار بلبل شوریدہ خاک شد جعفر	ہنوز رسم خود آرائی چمن باقی ست
درستی ہمہ کس در شکست پندار ی	شکست زلف کجا و دل شکستہ کجا
اے صبا در اشکم اما دلہائے خون میکنم	کہ ایں گلستان ست نتواں در و بادے است
ہر گنجائش غم ہائے دل ما چو نداشت	آفریدند دیگرے دل ما صحرا را۔
ز شوق آنچہ آنچہ دید فرہاد۔	مرا ایں جا قلم از دست فتاد

مراثی

سندھ یونیورسٹی کی لائبریری میں "مراثی اردو" میں جعفر کا کلام ملتا ہے۔ یہ مناجات جعفر کی کہی ہوئی ہے اس میں نو بند ہیں۔

ابتدائے کلام	گنہ گر ذات ہم پالی	عمل بن گانٹھ ہے خالی
	تمہیں سے جو سکھ لا	محمدؐ یا رسول اللہ
نمونہ کلام	ہماری بی بی ہیں خاتم	نہو دی دی میں ماتم
	ہماری خیر کے خاتم	محمد یا رسول اللہ

خاتمہ کلام کہ جعفر درد پاتا ہے — گھڑی اک پل میں پاتا ہے
تمہارا فضل چاہتا ہے — محمد یا رسول اللہ

یہ مناجات یہاں پر ختم ہو جاتی ہے۔

تیسرا دور

سنہ ۱۱۰۰ھ تا ۱۱۳۶ھ

مغلیہ اُردو ۱۰۹۷ھ میں بیجاپور اور ۱۰۹۸ھ میں گولکنڈہ فتح ہو کر سلطنتِ مغلیہ میں شامل ہو گئے۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کے درباروں میں شعراء اردو کے ساتھ بیحد مراعات کی جاتی تھیں۔ اور انہیں ان کی تصنیفات کے صلے میں ہزار ہا روپیہ انعام ملا کرتا تھا۔ امرا وسلاطین کی قدردانیوں کی وجہ سے ان میں یہ مذاق پیدا ہوا تھا۔ لہذا خدشہ یہ تھا کہ سلاطین دکن کی حکومت ختم ہوتے ہی اردو شاعری بھی نہ ختم ہو جائے۔ مگر نتیجہ بالکل اسکے برعکس نکلا اس کا سبب یہ تھا کہ دکن میں اردو اسقدر عام ہوگئی تھی کہ لین دین سرکاری دفاتر میں بھی اسی کو رواج حاصل تھا شاذ و نادر ہی کوئی فارسی زبان استعمال کرتا۔ زبان اردو عام ہونے کی وجہ سے تمام ملک میں اردو شاعری عام ہوگئی۔

اورنگ آباد کو اورنگ زیب نے ۱۰۹۲ھ میں اپنا صدر مقام قرار دیا تھا۔ اسی وقت سے اس کی رونق زیادہ ہونے لگی تھی پہلے قطب شاہی پائے تخت گولکنڈہ اور عادل شاہی دارالحکومت بیجاپور شاعری کے مرکز تھے۔ مغلیہ دور میں اورنگ آباد نے اس کی جگہ لے لی۔ اس طرح اورنگ آباد نہ صرف سلطنت مغلیہ کا مستقر ہونے کے لحاظ سے دہلی کے امرا، روساء، علماء، شعراء کا مرکز بن گیا بلکہ گولکنڈہ اور بیجاپور کے باکمالوں کا بھی ملجا ٹھہر گیا۔ شعر و شاعری کا چرچا بڑھا۔ اس طرح اردو شاعری کے بھی یہاں قدم جم گئے۔ اور شعراء نے اپنی یادگار میں بہترین کلام یادگار زمانہ چھوڑا۔ عالمگیر نے نصرتی کو ملک الشعراء کے خطاب سے مشرف کیا۔ ۱۰۹۸ھ میں تقریباً پورا دکن قلمرو مغلیہ میں شامل

ہوا تھا جو ۱۱۳۶ھ میں حضرت آصف جاہ اول نے سلطنت آصفیہ کی بنیاد ڈالی سینتیس[۳۴] سال کی مدت میں اردو کے کئی ایک شعراء مشہور ہوئے جن کی مثنویاں دیوان اور مرثیے آج تک موجود ہیں۔

اس دور کے شعراء حسب ذیل ہیں۔

نمبر شمار	تخلص	صراحت تصنیف	سنہ تصنیف
(۱)	ولی اورنگ آباد	کلیات	
(۲)	صیفی	عشق صادق	
		ہدایت نامہ	سنہ ۱۱۰۰ھ
(۳)	امین	یوسف زلیخا	سنہ ۱۱۰۹ھ
(۴)	ذوقی	غوث نامہ	"
		مرثیے	"
(۵)	بحری	من لگن	سنہ ۱۱۱۱ھ
(۶)	بحری	گلشن حسن و دل	سنہ ۱۱۱۴ھ
(۷)	وجدی	تحفۂ عاشقاں	سنہ ۱۱۱۵ھ
		پنچھی باچھا	سنہ ۱۱۳۱ھ
		باغ جانفزا	سنہ ۱۱۴۵ھ
(۸)	اشرف	جنگ نامہ حیدر	سنہ ۱۱۳۵ھ
(۹)	ولی ویلوری	روضۃ الشہداء	سنہ ۱۱۳۰ھ
		رتن دیدم	"
(۱۰)	عشرتی	دیپک پتنگ	"
		رتن دیدم	"

نمبر شمار	تخلص	صراحت تصنیف	سنہ تصنیف
(۱۱)	طالب	رتن دیدم	سنہ ۱۱۳۰ھ
(۱۲)	بیچارہ	" " "	"
(۱۳)	نراتی	" " "	"
(۱۴)	یتیم احمد	مرثیہ	"
(۱۵)	ندیم	"	"

امین امین تخلص کے متعدد شعرا دکن میں گذرے ہیں۔ ان امین کو عہد مغلیہ سے تعلق ہے۔ نصیر الدین ہاشمی اور جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانصاحب کی تحقیق کے مطابق یہ گجرات کے باشندے تھے مگر عرصہ تک اورنگ آباد میں قیام رہا جس کے باعث دکنی شعرا میں ان کا ذکر بھی شامل کرلیا۔

ایک اور تحقیق کے بموجب امین برہان پوری (سی پی) کے باشندے تھے شاہی امراء اور ممتاز منصب داروں میں تھے۔ شعر گوئی کا بلند اور ستھرا مذاق رکھتے تھے۔ مرزا بیدل سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ زیادہ تر فارسی کلام لکھتے تھے۔ اردو کا اگرچہ رواج ہو چلا تھا لیکن خاص فارسی گو شعرا اردو پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے کم ہی اردو پر توجہ کرتے تھے امین کا اردو کلام بھی ہر صنف سخن میں کافی تعداد میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ میر مہدی متین کے والد ہیں۔ لچھمی نراین شفیق نے متین کے ذکر میں جو عبارت لکھی ہے ضمناً اسی میں آپ کا بھی مختصر تعارف آگیا ہے۔ پوری عبارت حسب ذیل ہے۔

میر مہدی تخلص مولدش برہان پور است والدش میر محمد امین مقرب دربار شاہی است

لہ یورپ میں دکھنی مخطوطات، دکن میں اردو، علمی نقوش (اردو املا کی تاریخ)

لہ علامہ راشد برہان پوری۔ تہ چمنستان شعرا از لچھمی نراین شفیق۔

صاحب سخن و شاگرد مرزا بیدل بود متین ہم طالب علم جید و خلیق و کم سخن و خوش فکر و متلاشی مضامین رنگین است اصلاح سخن از شاہ سراج میگرد - این چند ابیات از طبع زاد اوست"

امین نے اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں دکن کا رخ کیا۔ صوفی مشرب تھے قادریہ طریقہ پر بیعت کی تھی - ان کی ایک مثنوی یوسف زلیخا جو ۱۱۰۹ھ میں تصنیف ہوئی ہے ڈاکٹر سید محی الدین قادری کی تحقیق[1] کے مطابق یہ مثنوی غالباً خسرو کی یوسف زلیخا کا ترجمہ ہے۔ لیکن فارسی اثر سے بالکل آزاد ہے۔ امین نے حضور رسول کریمؐ کا ولادت نامہ بھی تصنیف کیا ہے۔ جو کہ سندھ یونیورسٹی میں موجود ہے۔

ولادت نامہ رسول کریمؐ اس مخطوطے میں صرف ۵۹ اوراق ہیں یعنی ۱۱۸ صفحات ہر صفحہ پر کم و بیش ۱۶ سطریں ہیں، اور ہر سطر میں ایک مصرعہ ہے یعنی آٹھ آٹھ شعر ایک ایک صفحہ پر لکھے ہوئے ہیں۔ یہ مخطوطہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کے متعلق ہے۔ اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ شروع کا ایک ہی صفحہ ضائع ہو گیا ہے کیونکہ مخطوطہ میں جو ہمارے پیش نظر ہے حمد کا یہ شعر پہلے نظر آتا ہے۔

ہے جیوتا دایم خدا نئیں موت کا اسے گزر | بن نین سب دیکھتا ہے بن کان سنتا ہے خبر
بن جیب بولے بولیاں بن ہاتھ سب صفت کرے | نا مثل اسکے کوئی ہے ناکوئی مثل اسکے کرے
درد و بلا اس کو نئیں نا ہے ضعیفی عاجزی | سب سے بڑا ہے پاک اور ہے قدرتاں اسکی بڑی

یہ مخطوطہ اس طرح چلتا ہے۔ حمد کے بعد نعت آتی ہے۔ ہمارے مخطوطہ بائیسویں شعر میں شاعر کا نام یوں آتا ہے۔

---

[1] اردو شہ پارے - از ڈاکٹر محی الدین قادری۔

ایسے نبی کے معجزے ہیں بوت شکلوں کا بیاں   کاں کر سکے عاجز امین لایق نہیں اس کے زباں

یہ امین کا تخلص اور جگہوں پر بھی آتا ہے ہمارا مخطوطہ جہاں ختم ہوتا ہے اس سے کچھ پہلے دو جگہ یہ تخلص آتا ہے۔

یارب امین کو توں سو یاں یماں کہن لکھے توت   دیکھیں توں دنیا کے بہتیر تیرے ذکر کا دل کوں قوت

اس ذکر صدقے ہیں جا یاد امین اندر بہشت   عاصی کو بخشا چاہے تو بخشیں تجھے سب سکت

اس کے بعد ہمارے مخطوطے میں یہ اشعار اور ہیں۔

مطلب ہے تجھے درمیاں سکا بیان تو سوں ہیں   اگر تھی تجھی یک گرہ اب وہ گرہ کھولوں میں ہیں

کر سکیا ہے تب نبی بی بی کھڑی مشتاق تھے   سب کفر چھوڑا تھا انہوں اور دین ہم طاق تھے

پوچھا محمد نے یوں تب بی بی کون ہے کلمہ کا شوق   ہے اور مسلماں ہونے کا دل بیچ ان کے بہت ذوق

بی بی کے تئیں کہنے لگے تب یو نبیوں کے شاہ   کہہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بی بی نے جب کلمہ سنا دل ہو گیا تب باغ باغ   اور دل بھیتر لیا تب سوں کیا دماغ

بی بی سا چے دل سوں تب کلمہ پڑھا بیشک پکار

اس مخطوطے میں حمد و نعت کے بعد شاعر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل کے حالات بیان کئے ہیں۔ کہا حضرت جبریل علیہ السّلام تشریف لائے اور انہوں نے ولادت باسعادت کی خوش خبری سنائی۔ حضرت آمنہ کے حالات اور ان کو خواب نظر آتے تھے ان کا بیان ہے۔ ابولہب ابوجہل نے جو خوشیاں منائی تھیں ان کا بھی ذکر ہے۔ اور وہ تمام روایات موجود ہیں جو مختلف کتابوں میں نظر آتی ہیں آخر کے ورق نہ ہونے کی وجہ سے اس مخطوطے کی تاریخ کتابت معلوم نہیں ہو سکی تاہم اس میں شک نہیں کہ اس کا غذ ایک سو سال پرانا ہے۔ مخطوطے کی کتابت میں یہ چند خصوصیات بہت نمایاں ہیں۔

(۱) ب اور ٹ کے لئے چار چار نقطے استعمال کئے ہیں

(۲) ڈ اور ڑ کے لئے چار چار نقطے استعمال کئے ہیں۔

(۳) مخلوطی اور غیر مخلوطی "ہ" کے لئے کوئی خصوصیت نہیں برتی گئی۔

(۴) یائے معروف اور یائے مجہول ے کے لئے کتابت اور قافیہ دونوں میں کوئی خصوصیت نہیں۔

ان کے علاوہ وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو دکنی زبان اور لہجہ میں پائی جاتی ہیں۔

فیض شمس الدین فیض ۱۱۰۰ھ سے تعلق رکھتا ہے یہ امین گجراتی کا معاصر ہے یہ کوئی مشہور شاعر نہیں تھا۔ اس کا کتابوں وغیرہ میں کہیں ذکر نہیں ملتا تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مغلیہ دور سے تعلق رکھتا ہے۔ ۱۱۱۱ھ میں اس نے مثنوی وفات نامہ رسول اکرمؐ تصنیف کی، تحقیق اس شعر سے ہوتی ہے۔

ہوا نسخہ یہ ہجرت بعد سارا — ہوئے تھے برس اک گیارہ سو گیارا

اس شعر سے ۱۱۱۱ھ کی صراحت ہوتی ہے۔ آخر میں شاعر کا نام بھی تحریر ہے۔

دیا تو نے فیض کو توفیق یا رب — کیا اس کے سبب امر مرتب

وفات نامہ رسول اکرمؐ اس مخطوطے میں صرف آٹھ ورق ہیں یعنی سولہ صفحات اور ہر صفحے میں کم و بیش سولہ سطریں ہیں اور ہر سطر میں ایک مصرعہ ہے یعنی سولہ سولہ اشعار ہیں ہمارے مخطوطے کی ابتدا حمد ان اشعار سے ہوتی ہے۔

ابتدائے کلام

بنا اول کروں حمد خدا میں — ازیاں در پر اس کی ابتدا میں
کیا قدرت میں ظاہر اپنی قدرت — بنا کر جگ دیکھیا آپ اپنی حکمت
نہ تھا سو سب کیا ہر شی کو موجود — ہوا سب کسی کا آپ معبود۔
دیا ہر شی کو اپنی آشنائی — پچھانت کی دلاں میں دی صفائی

یہ مخطوطہ اس طرح چلتا ہے حمد کے بعد نعت آتی ہے آخر میں شاعر کا نام اسطرح آتا ہے۔

ہوا نسخہ یہ ہجرت بعد سارا — ہوئے تھے برس گیارہ سو گیارہ

دیا توفیق فیض کون یارب کیا اس کی سبب امر امرت

جیسا کہ اس مخطوطے کے نام سے ظاہر ہے وفات سے متعلق واقعات تحریر ہیں یہ مثنوی خط نسخ میں تحریر ہے کیٹلاگ صراحت سے سنہ کتابت ١١٩٣ھ ہے یہ مخطوطہ ١١١١ھ میں مرتب ہوا مخطوطے کے آخر کے شعر سے اس کی تاریخ کی صراحت ہوتی ہے۔

نمونہ کلام کیا نیں وصف کوئی اس نہایت کا کوئی جانا تو اتنا ہی زیادت کا

مجھے توفیق دے یارب تو بولوں زبان ہجری دکھنی میں کھولوں

کہوں صلوات کو بعد ازاں میں نبی جو نقل کیتے سوں بیاں میں

وصیت مصطفےٰ تب کیے چار کرو عورات مرداں اوپر پیار

پدر مادر کوں دیو اپنی عزت کرو درویش لوگاں کو سخاوت

نہ کو ہمسائے کا یو دیو آزار نہ کو سختی یتیماں پر کرو پیار

اس نسخہ کی خصوصیات یہ ہیں۔

(١) اس میں عموماً مخلوطی ہ کو دوچشمی لکھا گیا ہے۔ بہت کم مقامات پر اس سے اختلاف ہے۔

(٢) یائے معروف اور یائے مجہول میں اکثر و بیشتر آجکل کے مطابق امتیاز ہے۔

(٣) کاف اور گاف میں کوئی امتیاز نہیں۔

(٤) ٹ کے لئے دو نقطے استعمال کئے گئے ہیں۔

(٥) امر میں اور خصوصاً اس وقت جب کہ واؤ سے پہلے نون ہے تو ایسے واؤ کے لئے نون غنہ آتا ہے۔

وفات نامہ حضرت رسول اکرمؐ یہ گیارھویں صدی ہجری کا لکھا ہوا مخطوطہ ہے نہایت پاکیزہ خط نسخ میں ہے اس مخطوطے کے ٤٦ اوراق ہیں۔ یعنی کل ٩٢ صفحات ہیں۔ یہ مخطوطہ رسول اکرمؐ

کی وفات کے متعلق ہے۔ خطِ نسخ نثر کے طرز پر مسلسل تحریر ہے مصرعہ کے آخر میں ؔ علامت تحریر ہے تقریباً گیارہ سطریں ہیں۔ مصنف کا نام کہیں پر بھی تحریر نہیں ہے۔ نئی تحقیق کے بموجب مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کی املائی خصوصیات کا حامل ہے۔

ابتدائے کلام

موت کوں سیر پر تمھارے جانوں دنیا خواب کی باری جانوں

اس منی دو دروازی ہوئی اِک تھی پیٹ تماشا جو دی

تمام حالات وفات سے متعلق ہیں تمام مشہور عام روایات موجود ہیں جن کا کھنٹ طوالت ہے۔

نمونہ کلام

دوجی تھیں جب نکلے بہار تماشا اس کہا جائے بسار

دنیا کوں بھی یوں نہیں پچانوں تجیر اس کی دل ماں آنوں

تم کو کام نہ آوتی کوئی جوں دل سے دیکھو جوئی

نیکی اوپر امید دہرو بدی کرنی تھی بھوت درو

وصیت پر تم کان لگاؤ اللہ کو تم اِک پہچانو

تم کوئی خدا کے بندو لوپر مت کیجو زنہار تکبر

اس مخطوطے میں جو خصوصیات برتی گئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ٹ کے لئے چھوٹے ط کی جگہ ۱۱ نقطے ہیں اور ڈ کے لئے د پر ایک زبر ہے۔

(۲) جزم عموماً گول دائرے کی طرح لکھا ہے۔ لیکن جب ما قبل حرف مفتوح ہے مجہول تو الٹا جزم شکل ہلال کے ہے۔

(۳) سوائے ایک آدھ جگہ کے اکثر مقامات پر مخطوطہ ہ کو دو چشمی لکھا ہے۔

(۴) یائے معروف کے لئے مکسور حرف کے لئے چھوٹا الف ہے۔

لسانی خصوصیات میں تھے کیلئے تھیں اور تھے ملتا ہے۔ امر میں اور خصوصاً اس

وقت جب کہ واؤ سے پہلے ن ہے تو ایسے واؤ کے بعد نون غنہ آتا ہے اسطرح کہ پہچانو بجائے پہچانوں، لازم مصدر "آنا" کو متعدی بنا کر امر "آنوں" بتایا ہے جیسے اس مصرعہ میں ہے۔ ع

تعبیر اس کی دل ماں آنوں

اس مصرعہ میں دل میں کی جگہ "دل ماں" جو برج سے متعلق ہے اور مثنوی برج بھاشا کے وزن میں ہے۔

وجدی شیخ وجیہ الدین وجدی صوبہ اورنگ آباد کی سرکار دھارور میں کچھ نالی ایک قصبہ کے رہنے والے تھے۔ نصیر الدین ہاشمی کے مطابق کرنول کے باشندے تھے صوفیانہ مشرب تھا۔ عطار کی تصنیفات سے ذوق رکھتے تھے۔ عالمگیر کے آخر دور میں تھے۔ وجدی کی تین مثنویاں مشہور ہیں۔ تحفۂ عاشقاں ۱۱۱۵ھ میں تصنیف کی، دوسری مثنوی پنچھی باچہ ہے جو فریدالدین عطار کی تصنیف منطق الطیر کا منظوم ترجمہ ہے۔ اس کی تصنیف ۱۱۳۱ھ میں ہوئی۔ تیسری مثنوی باغ جانفزا ہے۔ جسکی تصنیف ۱۱۴۵ھ میں ہوئی ہے۔

نظم اردو بطرز منطق الطیر (پنچھی باچہ)

یہ وجدی کی مشہور تصنیف ہے۔ پنچھی باچہ یا پنچھی نامہ سے موسوم ہے سندھ یونیورسٹی کے اس نسخہ میں منطق الطیر لکھا ہوا کیٹلاگ میں بھی اسی نام سے موسوم ہے۔ تاریخ کتابت اور سنہ تصنیف درج نہیں ہے۔ شروع اور آخر کے تمام اوراق غائب ہیں باقی اوراق بھی دیمک خوردہ ہیں یہ پرندوں کے مکالمہ کا عارفانہ، متصوفانہ وسیع سلسلہ ہے۔ جس میں متعدد حکایات تمثیلات مذکور ہوتی ہیں۔

(۱) بلوم ہارٹ کی صراحت کا خلاصہ۔

"The Eloquence of the Birds," an allegorical poem in praise of God with anecdotes of saints and holy men. translated into Dakhni verse from the Persian Masnawi of Shaikh Fariduddin attar by a poet whose Takhlus is Zaif. see. Reev Persian catalogue No 1031 Col 612 In the epilogue. the translator has given th Dakhni title "Punchhi Bacha" to the work: It was Composed A.H. 1131 A.D. 1719.

[۳] نصیر الدین ہاشمی کی تحقیق کے مطابق اس کا مصنف وجدی ہے۔ ذیل کے اشعار سے اس کی تحقیق ہوتی ہے۔

یوں دعا مانگی ہے کرم شیخ آپس
بخشش وجدی کوں بجا ہے دیا رس — صفحہ ۳
جی غلامی تجکو بھی دوزخ کی ہوتی
آسرا وجدی کوں نہیں تجھ باج کوئی — صفحہ ۴

---

catalogue of the Hindustani Muscript in the Library of India office - Blum Hardt.

۲- یورپ کے دکنی مخطوطات۔ دکن میں اردو۔

۳- " " " " " " " "

مؤلف[1] نے اردوئے قدیم کی تحقیق کے بموجب الکی تاریخ تصنیف ذیل کے شعر کے لحاظ سے سنہ ۱۱۳۶ھ قرار دی ہے۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب	تب ہوا میزان میں کیا خاصا کتاب

پروفیسر[2] دتاہی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب سنہ ۱۱۲۲ھ میں تکمیل کو پہونچی ببلوتک ڈر مارگن بھانڈش گیشل سٹافٹ میں اس کا جو نسخہ ہے اس سے سنہ ۱۱۵۰ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے کتب خانہ آصفیہ کے قلمی نسخہ سے اس کا سنہ تصنیف ۱۱۵۵ھ ظاہر ہوتا ہے شعر اس طرح درج ہے

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب	تب ہوا میزان میں کیا خاصا کتاب

بلوم ہارٹ نے سنہ ۱۱۳۱ھ اسی شعر سے نکالے ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی نے بھی سنہ ۱۱۳۱ھ تاریخ تصنیف نکالی ہے۔ ایک اور تحقیق[3] کے بموجب سنہ تصنیف ۱۱۵۵ھ ہے ان تمام تحقیقات سے سنہ تصنیف کا پتہ چلتا ہے سندھ یونیورسٹی کی لائبریری کا جو نسخہ ہے اس کے تمام شروع اور آخر کے اوراق غائب ہیں لہذا اس نسخہ کا سنہ تصنیف اور شاعر کا نام اور تصنیف کا نام معلوم نہیں ہوسکتا۔ باقی تمام اوراق بھی دیمک خوردہ ہیں۔ نظم کی بحر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وجدی کی پنچھی باچھا ہی ہے۔ نفس مضمون بھی وہی ہے جو عطار کی منطق الطیر کا ہے۔

نمونہ کلام۔ بعد ازاں آیا ہما باکر و فر	چھاؤں جس کے بادشاہ کا چتر
بولنے لاگیا کہ اے پنچھی میں جس	لال سما فلے
اصل میں دھرتا ہوں ہمت بلند	گوشۂ عزلت سو کرتا ہوں آنند
اک تہا کوئی بادشاہ وا لاگوہر	لیکن ہو عاشق غلام اپنے اوپر

---

[1] اردوئے قدیم از شمس اللہ قادری [2] یورپ میں دکنی مخطوطات۔ از نصیر الدین ہاشمی۔
[3] اردو مخطوطات بنر مرتبہ حامد اللہ ندوی۔

سب غلاماں سوں دبے اوں سو پایہ — جب نہ دیکھے اس کوں تو ہوے بیقرار
لیکن اپنے جیو ہوں ڈر ہوں غلام — ہور رہا تہا زرد رنگ آپ با تمام
یک نے پوچھا اوسے اے نیک مرد — کیا سبب ہے توں ہوا ہے رنگ زرد
جب کہ او سیمرغ اوچانا نقاب — تب نکل آتا ہے جیوں آفتاب
ڈالتا ہے سایہ اپنا خاک پر — پھر کہ اس سایہ پو کرتا ہے نظر
پس جناؤ اس جہاں کے سر بسر — سایہ سیمرغ ہے لے بے خبر
جب سماں تجھکوں سمجھا جائے گا — نسبت اس حضرت سوں پیچانے گا
پس کہا چوتھے پنچھی نے اک بات — جوہر مرا اصل میں تا مرد ذات
کچھ عجب دستا ہے میرا منجکوں حال — ہر گھڑی ہر لحظہ ہر دم ہے خیال
کب میں زاہد کب میں رند کب سرمست — کب سوں عاقل کب سوں ناداں
کب سوں شیطاں منجکو دیس راہبر — کب فرشتہ منجکوں لیاوے راہ پر
پس کہا ہدہد کے پنچ یو بات ہے — طبع لیکے سب جنم یکد بات ہے
پانچواں پنچھی ہوا یوں عذر خواہ — جو ہے میرا نفس دشمن آہ آہ
کس وضع سوں میں چلوں تیرے سنگات — راہ کے رہ رو رنگو لیکے آپنے سات
بعد ازاں پنچھی ان کے آیا چھٹا — راہ کے محنت سو ہونکو کرنشا
ساتواں آیا و پنکھیرو بعد ازاں — معذرت سوں سو منج کھولیا زباں
یو مرا جیو تو بہت را دوست ہے — عشق از سوں مغز باقی پوست ہے

(لسانی خصوصیات حسب ذیل ہیں)

(۱) ٹ اور ڈ کیلئے چار نقطے استعمال کئے ہیں۔ (۲) پر کے لئے پو استعمال کیا ہے۔
(۳) گ کیلئے ک ہی استعمال کیا ہے۔ (۴) اٹھاتا کے لئے اوچاتا ہے استعمال کیا ہے۔

غالب اور حقیقت پسندی

از حکیم رشید احمد معتصم بریلوی

بیا ورید گر ایں جا بود زباں دانے   غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

یہ غریب شہر غالب تھا۔ جو اوائل عمری میں اکبر آباد چھوڑ کر دلی میں آ بسا تھا۔ اس نے بہت کچھ کہا اور لکھا ہے۔ نظم میں بھی اور نثر میں بھی، اردو میں بھی اور فارسی میں بھی۔ اس کی نثر میں بڑی سادگی اور بے ساختگی ہے۔ اور نظم میں پختگی اور گہرائی۔ اس کا فارسی کلام اردو سے بہت زیادہ ہے اور اسی کو وہ اپنے لئے باعث نازش بھی سمجھتا ہے۔ فارسی سے اس کے انتہائی شغف کا اندازہ اس کے اس شعر سے ہو سکتا ہے۔

ز رشتہ سخنِ من رنگ" نمی دانم   بمن بگوے کہ غالب بگو خدا را کیست"

لیکن اس کے جس کلام کو ہندوستان میں قبول عام کی سند ملی وہ فارسی نہیں بلکہ اس کا مختصر اردو کلام ہے۔ غالب ایک سپاہی زادہ تھا اور شاعری کو اپنے لئے کچھ باعث عزت نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ خود شعر نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا چنانچہ لکھتا ہے۔

ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالب   شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فنِ ما

ہماری آج کی گفتگو کا موضوع اس کا یہی چھوٹا سا اردو کا دیوان ہے اور ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس کے کلام میں حقیقت پسندی اور واقعیت کا عنصر کس